آئینہ وقت کے روبرو

نوجوانانِ اسلام کی تگ و تاز

حافظ یوسف سراج (خانیوال)

انداز بیاں اگرچہ کچھ شوخ نہیں
شائد کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

جب میں ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنے ماضی کو دیکھتا ہوں' اسلاف کے تذکرے پڑھتا ہوں تو دل میں اک درد سا اٹھتا ہے جو بتدریج سارے وجود پہ چھا جاتا ہے۔ میں اس قدر مضطرب ہو جاتا ہوں کہ شائد حالت درد کی یہ حد آخر ہو میں اس سمندر کی مانند ہو جاتا ہوں کہ جس کی تہہ میں موجیں جوش مار رہی ہوں کیونکہ ہمارا آب دار' شاندار' تابناک' ولولہ انگیز' بے مثال' خورشید انور کی طرح چمکتا دمکتا اور آسمان کی وسعتوں سے کہیں زیادہ وسیع و عریض دور' دور ماضی ہی تو ہے۔ وہی قصہ پارینہ کہ جس سے شاعر مشرق کو والہانہ محبت و عقیدت تھی اور جس میں وہ نوجوانوں کو دعوت تدبر دے رہے ہیں۔

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا جسکا ہے تو اک ٹوٹا ہوا تارا

غرض کیا کہوں تجھ سے وہ صحرا نشیں کیا تھے۔ جہاں گیرو' جہاں دار' جہانبان و جہاں آرا

وہی ماضی جس کی خوشہ چینی کر کے کفر بعض ادوار میں ہم سے بھی آگے نکل گیا۔ یوں تو اسلام کا ہر ایک فرد و بشر بے نظیر و بے مثال تھا اور ماضی کی تاریخ ان کے بغیر مکمل کرنا ظلم اور زیادتی ہے لیکن موضوع اسی قدر اجازت دیتا ہے کہ مسلم نوجوانان رعنا کا تذکرہ دلربا ہی دھن کو ماضی کی لے پہ چھیڑا جائے۔

مسلم عربی زبان میں اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی ناک میں نکیل ڈالی گئی ہو گو کہ عالم جوانی میں انسان کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ بغاوت کی طرف رجحان اور سرکشی کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں لیکن تاریخ شاہد و عادل ہے کہ مسلم نوجوانوں نے جس قدر اور جس طرح اسلام کی سربلندی کے لئے تن من دھن کی بازی لگائی کہ کائنات کے مذاہب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں انہوں نے اپنے آپ کو یوں مٹایا اور جھکایا کہ نکیل زدہ اونٹ کی طرح جدھر موڑا مڑے جدھر چلایا چلے بزبان شاعر ان کا یہ عالم تھا کہ "سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے" ہائے کیا کہوں کہ وہ کیا تھے؟ علم و فضل' صلح و آشتی اور امن و انصاف کے پیامبر محبت و مودت' شفقت و رافت رحم دلی اور دریا دلی کے خوگر' ولولہ جرات و شجاعت اور عزم و ہمت کے پیکر' عدلیہ' انتظامیہ اور قانون سازی کے ماہر صدق و صفا جود و سخا اور مہر و وفا سے انسانوں کے دل موہ لینے والے عادلانہ' حکیمانہ اور مدبرانہ طرز حکومت' طرز معاشرت اور طرز معیشت اختیار کرنے والے' امت مسلمہ کی سیاسی' علمی' اخلاقی' قومی' اجتماعی اور انفرادی زندگی میں نکھار پیدا کرنے والے' گلیم فقیری میں سرمایہ سلطانی رکھنے والے' ان کی بہادری' دلیری' جرات' بیباکی' سپہ سالاری' سخاوت' حکمت' عدالت' اخلاق' اطوار' علم و حلم' فہم و فراست' مشقت و ریاضت' حسن و لطافت ایسی عدیم المثال خوبیوں کا کہیں کوئی ثانی ملتا ہے؟

جن کی زندگی کا منشاء و مقصود اور غرض و غائت صرف رضائے رحمان و رحیم تھی۔ ان کی حیات طیبہ و طاہرہ کا کوئی سا گوشہ وا کرکے دیکھ لیں۔ کہیں بھی کسی بھی حصے میں ذاتی مقاصد کی خفیف سی جھلک بھی منظر نہ آنے پائے گی۔ شارع اسلام سے ان کو اس قدر محبت و شیفتگی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم نے حضور علیہ السلام سے حسین مکھڑا اور اس سے بڑھ کر حسین منظر نہیں دیکھا ہے۔ انہیں اپنی چشم ناز بھی اس لئے عزیز تھی کہ اس سے اپنے آقا کی زیارت کرتے ہیں۔ ایک صحابی کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ لوگ عیادت کے لئے آئے تو کہنے لگے یہ آنکھیں تو مجھے اس لئے عزیز تھیں کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی۔ وہ ہی نہ رہے تو آنکھوں کے جانے کا کیا غم ہے۔

> تاریخ شاہد و عادل ہے کہ مسلم نوجوانوں نے جس قدر اور جس طرح اسلام کی سربلندی کے لئے تن' من' دھن کی بازی لگائی کائنات کے مذاہب اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں

استقامت فی الدین میں اس قدر با رسوخ کہ مشرکین مکہ نے شائد ہی کوئی ظلم ہو گا جو روا نہ رکھا ہو گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کون نا آشنا ہے؟ صحرائے عرب کی تپتی اور تن جلاتی ریت پہ ننگے جسم چربی کو پگھلا کے اور سینے

پر بھاری پتھر کی موجودگی میں احد احد کہنے کا جو لطف و مزا انہوں نے پالیا وہ کسی اور کے نصیب میں کہاں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہائے کیا آزمائش سی آزمائش تھی

ادھر کسی مشتاق اسلام نے مشروب اسلام کا حیات بخش اور روح افزا گھونٹ بھرا ادھر اپنوں نے بیگانوں نے ظلم و جور کے پہاڑ توڑ ڈالے۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسند پہ بٹھایا اور مشرکین مکہ کے ظلم و زیادتی کی خونچکاں داستان سنانے کا مطالبہ کیا انہوں نے اپنی پشت مبارک سے چادر سرکائی تو زخموں کے نشانات دیکھ کر حضرت عمر حیران رہ گئے۔ انہوں نے فرمایا مشرکین لوہے کی چادر گرم کرتے جب انگارہ بن جاتی تو میرا لباس اتار کر مجھے پیٹھ کے بل اس چادر پر گھسیٹتے جس سے میرے بدن کا گوشت میرے جسم سے الگ ہو جاتا۔ اس جلتی آگ کو میرے جسم سے نکلنے والا خون بجھاتا۔ کفار نے کیسی کیسی تکالیف دیوانِ گانِ حق کو دیں کہ زمین پھٹ پڑے اور آسمان کانپ اٹھے۔ جب گرمی نقطہ عروج پہ ہوتی حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے چٹیل میدان میں لیجاتے کپڑے اتار کر لوہے کا لباس پہناتے' پانی نہ دیتے جب پیاس اور بھوک کی شدت سے نڈھال ہو جاتے تو استفسار کرتے کہ محمد ﷺ کے بارے میں اب تمہاری کیا رائے ہے؟ جواب دیتے وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ شیطان کے آلہ کار بپھر جاتے' بے تحاشہ پٹائی کرتے' گرم پتھروں سے آپ کی پیٹھ داغتے' پتھروں میں اس قدر حدت و حرارت ہوتی کہ کندھوں سے چربی اور خون بہنے لگتا۔

بنتے ہو وفادار تو وفا کرکے دکھلاؤ
کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

جو شخص علم کی پیاس دیکھنا چاہے اسے چاہئے کہ سرتاج حدیث ابو ہریرہ کی داستان پڑھے کہ کئی کئی دن بھوک و پیاس برداشت کرتے ہوئے رفاقت رسول کے دامن تلے سماعت و حصول حدیث کے لئے موجود رہتے۔ مبادا وہ کہیں کھانا کھانے جائیں اور نبوت کے لب سے ہیرے جواہرات کی برسات ہو اور ابو ہریرہ انہیں سننے سے محروم رہ جائیں۔ اسی طلب و جستجو کی لگن میں بھوک پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتے۔

انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ گویا کہ اک ایسا سمندر تھا جو ... کی حدود و قیود کو توڑ کر ساری ... صرف کرنے کی تمنا رکھتا ہو

عبداللہ بن عباس کو دیکھئے کہ سفر میں رحمت کائنات کے ساتھ ہو لیتے ان کا سامان تھامے رکھتے اور سر رسول کہلائے اور جب قرآن مقدس کی تلاوت فرماتے تو آسمان سے فرشتے سننے کے لئے زمین کی طرف دوڑتے۔ وہ کیسے لوگ تھے کہ جنہوں نے لینا اوڑھنا بچھونا لبادہ اسلام کو قرار دیا۔ ان کا چلنا' پھرنا' اٹھنا' بیٹھنا عین مطابق اسلام تھا۔ گویا وہ تو ادخلوا فی السلم کافه کی عملی تفسیر تھے۔ مہمان نواز اور ایثار پسند ایسے کہ عرش والا ان مہمان نوازوں کا تذکرہ کائنات کی سب سے سچی کتاب میں فرمائے۔ و یوثرون علی انفسهم و لو کان بهم خصاصة۔ انہوں نے اپنی ذاتی خواہشات' تمناؤں اور آرزوؤں کا کس طرح گلا گھونٹ دیا۔ آؤ ذرا ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے ملتے ہیں۔ کون ربیعہ رضی اللہ عنہ وہ کہ جس کے مقدر پہ ہو رشک آسمان تک بھی۔ ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے مقدر کے کیا کہنے سارا دن نبی کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں رہتے۔ نماز عشاء سے فراغت کے بعد حضور کاشانہ نبوت میں تشریف لیجاتے تو آپ باہر دروازے پہ بیٹھے رہتے کہ شائد آپ کو کوئی کام پڑ جائے اور میرے بھاگ جاگ اٹھیں اور حضور کی خدمت کی سعادت نصیب ہو جائے۔

ایک دن حضور ﷺ نے فرمایا ربیعہ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ قربان جاؤں ربیعہ کے جواب پر کہ جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے اور جس سے الفت و محبت اور عشق و شیفتگی کی مہک کی پھواریں پھوٹ رہی ہیں کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ کا آستانہ مجھ سے چھوٹ جائے گا۔

اس راہ گزر سے اگر دریائے ماضی کے غواص کو متلاشیان حق کی سعی و کاوش' تگ و تاز اور تلاش و بسیار کو دیکھنا ہو تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات کا مطالعہ کرے۔ انہوں نے کیونکر نازو نعم' تعیش و آرام کی زندگی کو خیرباد کہا اور پھولوں سے معمور وادی کو چھوڑ کر کانٹوں سے اٹی راہ گزر کا سفر اختیار کیا اور آنے والے ہر کانٹے کی تواضع اپنے آبلہ پا سے کی۔ اسلام کی تلاش اس وقت شروع کر دی کہ جب روئے زمین پہ اسلام کی معرفت کا کوئی حامی غیر موجود و مفقود تھا۔ علاقہ اصفہان کا وہ فارسی النسل نوجوان ..... گیان نامی بستی کے سردار کا چشم و چراغ ..... مجوسیت کی تعلیم جس کے رگ و ریشے میں رچانے بسانے کی جدوجہد کی گئی اور اس غرض سے ان کا گھر سے نکلنا ممنوع تھا کہ کسی اور مذہب کی اسے ہوا تک نہ لگے لیکن انہیں کیا معلوم کہ خدائے واحد القہار نے اس دل و دماغ اور قلب و جگر کو اسلام کے لئے پسند فرما لیا ہے۔ قربان جاؤں ان کے جذبہ تلاش حق پہ اور ولولہ حق گوئی و بیباکی پہ کہ ایک دن گھر سے نکلے اور اتفاقاً گرجے میں جا پہنچے۔ حیرت و استعجاب اور دلجمعی سے ان کی عبادات کو دیکھا۔ مجوسیت سے اچھا پایا تو آگ پرست والد سے بلا خوف و خطر کہہ ڈالا کہ عیسائیت اچھا مذہب ہے

گھر چھوڑ دیا۔ پادریوں کی صحبت اختیار کی آخری پادری نے نبی رحمت کے خطہ عرب کی سرزمین پہ مبعوث ہونے کی بشارت ان کے دامن۔ سراپا تلاش میں ڈال کر گویا کہ ان کی تڑپ کو جلا بخشی۔ جانب عرب محو سفر قافلہ سے معاملہ طے کیا۔۔۔ اور آخر نبی کائنات ؐ کے در اقدس پہ پہنچ گئے اور اسلام قبول کیا جوانان ماضی میں تلاش حق اور قبول حق کا یہ جذبہ نادر و نایاب تھا کہ تاریخ جس پہ ناز کرتی ہے۔ سخاوت و فیاضی ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ گویا کہ اک ایسا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جو کناروں کی حدود و قیود توڑ کر ساری زمین کو سیراب کرنے کی تمنا رکھتا ہو۔ ادھر نبی ام کے یاقوتی ہونٹوں میں انفاق فی سبیل اللہ کے لئے جنبش ہوئی ادھر شمع رسالت کے پروانوں نے گھر کا جملہ ساز و سامان اٹھا کیا اور لا کے سلطان مدینہ کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ ایک دن مقدس شہر مدینہ کی زمین میں تھرتھراہٹ محسوس کی گئی۔ امی عائشہ صدیقہ عنہا اس کے متعلق دریافت فرماتی ہیں۔ بتایا جاتا کہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے سات سو اونٹ تجارتی سامان سے لدے پھندے مدینۃ الرسول میں داخل ہو رہے ہیں۔ امی عائشہ نے فرمایا نبی رحمت ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ جنت میں خوشی سے اچھلتے ہوئے داخل ہو گا۔ بات ان کے ملازم ساعت تک جا پہنچی تو جنابانہ خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تصدیق کی واقعی آپ نے صاحبہ۔ قرآن سے یہ بات سنی ہے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر نہ پوچھئے ان کی خوشی کا کیا عالم تھا فرمانے لگے اماں گواہ رہنا اپنے سات سو اونٹوں کو اور ان پر موجود تجارتی سامان کو خدا کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔۔

خون جگر سے تواضع عشق کی
سامنے مہمان کے جو میسر تھا رکھ دیا

کس کس کا تذکرہ سخاوت صفحہ قرطاس پر مرتسم کروں کہ ادھر تو عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی سخاوت کے لئے ہی کائنات کی وسعتیں تنگی داماں کا شکوہ کر رہی ہیں۔ مسلم جوانوں کی شان و شوکت' رعب وجلال' ہمت و استقلال' قوت و طاقت' جوش و عزیمت' تب و تاب اور تگ و تاز کا اظہار جس قدر جہاد کی چوٹی قتال میں ملتا ہے وہ مستقل ایک الگ باب ہے۔ جہاد و قتال اور اس کی اہمیت و فضیلت اور فرضیت.... گلستان اسلام کا جو سب سے زیادہ چمکتا دمکتا' مہکتا لہراتا' شگفتہ و تروتازہ حصہ ہے وہ جہاد ہے' جہاد کو اسلام میں وہی اہمیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کو۔ یہ تو وہ ہے کہ جس میں جوانوں تو کیا بوڑھے اور بچے بھی جوانوں سا نہیں نوجوانوں کا سا کردار ادا کر گئے۔ مسلم جوانوں کو اس سے اسی طرح محبت ہے جس طرح مشرکین مکہ کو شراب و شباب سے شغف تھا۔ تیر و تلوار' نیزہ بازی' گھڑ سواری یہ تو اہل عرب کے خمیر میں رچی بسی چیزیں تھی اور پھر جب ان اوصاف کو اسلام کی جہادی سان پر چڑھایا گیا تو وہ نتائج برآمد ہوئے کہ مسلم تو مسلم غیر مسلم بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر اسلام کو ایک اور عمر مل جاتا تو کائنات کا کوئی گوشہ ایسا نہ بچتا کہ جہاں مسلمانوں کا تسلط قائم نہ ہوتا۔

تاریخ اس بات کی ہمراز ہے کہ دور فاروقی میں شمع اسلام کی ضیاپاشیوں کو جس قدر فروغ و وسعت میسر آئی وہ جہاد کی مرہون منت ہے۔ جہاد سے ان جوانوں کو کس قدر شغف تھا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ فرط جوش سے صحابہ یہ ترانہ گایا کرتے۔

نحن الذين بايعوا محمدا
على الجهاد ما بقينا ابدا

راہ جہاد میں بے دریغ قربانیوں کی خونچکاں داستانیں رقم کرنے والے جرنیل صحابہ کا تذکرہ دل آویز ہی شروع کروں تو صفحات بھرتے چلے جائیں اور کہاں اک اک مرد مجاہد کا تذکرہ..... وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہ جن کے بغیر کتاب جہاد مکمل نہیں ہو سکتی ساری عمر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرتے رہے۔ جن کے متعلق آقائے دوجہاں نے فرمایا خالد تیری عقل و دانش اور فہم وفراست کی بنا پر مجھے بہت امید تھی کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور اسلام قبول کرلو گے۔ ان کی فہم و فراست کے کیا کہنے اسلام سے قبل جنگ احد میں درے سے حملہ کرکے ہاری ہوئی بازی جیتنے اور مسلمانوں کو زک پہنچانے میں بھی وہ انہی کا خاصہ ہے۔ ایسے ماہر جنگجو کہ ایک معرکہ کار زار میں ان کے ہاتھ سے ستر تلواریں ٹوٹیں۔

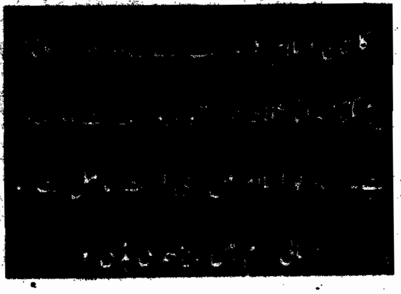

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پایۂ ثبات کا ذکر کروں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی استقامت کو بیان کروں' حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی جنگجویانہ صلاحیتوں کا اعتراف کروں کس کس کا ذکر کروں۔۔

میں نام گنواؤں کس کس کا؟
یہاں تو ہر مجاہد سربکف
یہ ہی راگ الاپتا نظر آ رہا ہے کہ
جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
سلسلہ جہاد کی زنجیر میں اس قدر سنہری

کڑیاں ہیں اور اس پھول میں اتنی زیادہ پتیاں ہیں کہ جن کا شمار سردست ممکن نہیں۔ کوزے میں سمندر کو بند کرنے والی بات ہے۔ کبھی ذہن کی اسکرین پہ نورالدین زنگی کی تصویر ابھرتی ہے کہ جس نے عیسائیوں کے لئے ایک دہشت کی حیثیت اختیار کر لی تھی تو کبھی مجھے اندلس کی گلیوں میں طارق بن زیاد کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ وہی طارق کہ جس نے راہ وفا میں سفینوں کو جلا کر راکھ کر دیا تھا اور سفینے ناز کرتے تھے کہ ہم نے معراج پائی ہے۔

کبھی محمد بن قاسم کی نوخیزی اور تابناکی شمشیر کا تقابل کرتے ہوئے عقل حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتی ہے۔ جس نے داہر کی ساری فرعونیت کو نکال باہر کیا اور ایک بہن کی آواز پہ جس طرح اس نے لبیک کہا وہ اپنی مثال آپ ہے اور جس طرح اس کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر مقامی آبادی نے ان کے مجسمے تراش لئے وہ بذات خود ان کے کرشمہ ساز حسن اخلاق کا اشتہار ہے۔

کبھی میں سلطان محمود غزنوی کے حملوں کو گنتا ہوں ایک سے لے کر سترہ تک تو سومنات کی تباہی میرے آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ کبھی میں ٹیپو سلطان کی جواں مردی کو داد دیتا ہوں اور ان کے جی گردے کا قائل ہوتے ہوئے برصغیر پاک و ہند کی طرف نظر گھماتا ہوں تو مجھے شاہ اسماعیل شہید بالا کوٹ کی سنگلاخ چٹانوں پہ اس نخل کی آبیاری اپنے خون جگر سے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیسے عزم و ہمت کے پیکر تھے کہ زمانہ جنہیں بھول نہیں پاتا وہ علم دین کہ جس نے "رنگیلا رسول" لکھنے والے کو رنگین کر دیا۔

ایسے بھی ہیں اس جہاں میں کچھ گزرے ہیں شہید
مقتول تھا اور رہا قاتل نہیں رہا

اور اب موجودہ دور میں بظاہر یوں لگتا ہے کہ مسلمان یا تو ختم ہو چکے ہیں یا خواب غفلت میں محوس ہیں بقول علامہ اقبال ۔

تہذیب میں تم ہو نصاری تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائے یہود
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ۔

اسلام زمانے میں دبنے کو نہیں آیا
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

مسلمانوں میں وہ ولولہ' جذبہ' دبدبہ' طنطنہ' حرارت' حدت اور تمازت ہے کہ کائنات میں ان کا ناپید ہونا انتہائی ناممکن ہے۔ الا یہ کہ خدائے لم یزل کے اس فیصلے سے قیامت قائم ہونے کے لئے حالات اور ماحول ایسا ہو جائے وگرنہ مسلمانوں کا حال اور مستقبل انتہائی تابناک ہے۔ بس ذرا ان شاہینوں کو احساس ہونے کی دیر ہے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

> تاریخ ... کی ہمراز ہے کہ دور فاروقی میں
> شمع اسلام ... پاشیوں کو جس قدر فروغ اور
> وسعت ... آئی وہ جہاد کی مرہون منت ہے

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے لمبا عرصہ سوتے ہوئے گزار دیا بہت عرصہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ ہم نے ماضی کو بھلائے رکھا۔ اپنے اسلاف کے کارناموں سے منہ موڑے رکھا۔ خالدؓ کی تلوار ہم نے سنبھال کے طاق میں سجائے رکھی۔ عمرؓ کی فہم و فراست اور حکومت و عدالت کو پس پشت ڈالے رکھا اور نتیجہ معلوم کہ کائنات ہم سے منہ موڑ گئی۔ ہم دین کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے بھاگے تو دنیا ہمارے لئے سراب ہو گئی کہ ہم اس کے پیچھے دوڑتے رہے اور یہ ہمارے ہاتھ نہ آئی۔ لیکن فرحت و شادمانی' خوشی اور انبساط کی بات یہ ہے کہ خدائے رحمان و رحیم کو ہم پہ ترس آیا۔ اس نے ہمارے اندر اہل بصیرت اور بینا افراد کے دلوں کو امت مسلمہ کے درد و کرب کو محسوس کرنے کی صلاحیت بخشی۔ ماضی کے تناظر میں حال ان کے قلب و جگر پہ چرکے لگا رہا ہے۔ بے خودی میں وہ حال کے مسلم جوانوں کی حالت زار کی کسک اپنے دلوں میں سجائے ضیاء ماضی کو دیوانہ وار آوازیں دے رہے ہیں۔ حقیقت میں یہ لوگ تو گوہر و موتی ہیں کہ ان کی سعی و کاوش اور مجاہدانہ محنت کے نتیجہ میں آج ہزاروں برس کے بعد محکومی و غلامی کے بعد مسلم جوانان رعنا کے ہاتھ تیر و تفنگ اور تلوار و کلاشن سے آشنا ہو چکے ہیں۔ ایک طرف حدیث رسول ﷺ کے یاقوت انتہائی ارزاں قیمت پہ لٹائے جا رہے ہیں تو دوسری طرف بھولے بسرے ماضی کو دوبارہ حیات بخشنے کے لئے مشرکین اور کفار کے خلاف وقت کے فرعونوں اور نمرودوں کی چیرہ دستیوں کا حساب بیباک کرنے کے لئے انبیائے کرام کی سنت عظیم کے احیاء و جلا کے لئے اور حال کے قیصر و کسری کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کر دینے کے لئے اہل بصیرت اور اہل دل حضرات کی معیت میں مسلم نوجوان میدان جہاد و قتال کو کسی نوبیاہتا دلہن کی طرح سجا کر اپنا نرم گرم تازہ اور سرخ خون نچھاور کر رہے ہیں اور ان کا اک اک قطرہ خون بہانگ دہل اور علی الاعلان یہ کہہ رہا ہے۔۔

اس جان کی تو کوئی بات نہیں یہ جان تو آنی جانی ہیں
جس سج دھج سے گیا کوئی مقتل میں وہ شان سلامت

(باقی ص 8 پر)